QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

# اقبال کی فارسی شاعری و فقہی روایت: تصورِ اجتہاد اور اسلامی شریعت کا تجزیاتی مطالعہ

# *Iqbal’s Concept of Ijtihad and Islamic Shari‘ah: A Study in His Urdu and Persian Discourse*

☆ ***Dr. Hafiz Mansoor Ahmad***
*Assistant Professor (Persian), UOS*
🖂 *mansoor.ahmad@uos.edu.pk*

☆☆ ***Abdul Ghafoor***

*MPhil, Department of Islamic Studies, GCUF, Pakistan.*

☆ ☆ ☆ ***Aziz Ur Rehman Ariyan***

*PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Superior University, Lahore; Lecturer, Department of Islamic Studies, The University of Lahore (UOL), Lahore, Pakistan.*

***Abstract***

This paper investigates Allama Muhammad Iqbal’s philosophical and poetic articulation of *Ijtihad*—independent reasoning—in relation to Islamic *Shari‘ah*, focusing on both his Urdu and Persian works. Iqbal conceptualizes *Ijtihad* not merely as a juristic mechanism but as a vital, rejuvenating force necessary for the intellectual and spiritual vitality of the Muslim Ummah. His thought emerges in response to the stagnation of traditional jurisprudence and the blind imitation (*taqlīd*) that had, in his view, paralyzed Islamic societies. Iqbal argues for a re-opening of the “gate of Ijtihad,” envisioning it as a process grounded in the Qur’an and Sunnah yet open to rational inquiry and contextual relevance. Through his speeches, such as the Allahabad Address, and his treatise *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, he presents *Ijtihad* as a dynamic and continuous effort to align divine law with the needs of an evolving civilization. In his Urdu poem “Ijtihad” and Persian collections such as *Rumūz-e-Bekhūdī* and *Payām-e-Mashriq*, Iqbal fuses poetic imagination with jurisprudential insight, presenting the *mujtahid* as an enlightened thinker who bridges tradition and modernity. This paper analyzes how Iqbal integrates legal theory, historical consciousness, and philosophical depth to propose a vision of *Shari‘ah* that is adaptable, forward-looking, and spiritually rooted. It concludes that Iqbal’s notion of *Ijtihad* represents both a critique of juristic inertia and a call for the creative reconstruction of Islamic legal and moral frameworks in the modern age.

**Keywords:** *Iqbal, Ijtihad, Shari‘ah, Urdu Poetry, Persian Poetry, Islamic Law, Reform, Intellectual Renewal.*

## 1. تمہید (تعارف)

اقبال کا تصورِ اجتہاد دورِ حاضر کے فکری، فقہی اور سماجی مسائل کے حل کے لیے ایک مؤثر اور قابلِ توجہ زاویہ فراہم کرتا ہے۔ جدید دنیا میں مسلمان جن فکری جمود، اجتہادی تعطل، اور سماجی چیلنجز سے دوچار ہیں، ان کا حل صرف ماضی پرستی یا مغرب کی اندھی تقلید میں نہیں، بلکہ اسلام کے اصولی و عقلی نظام کے اندر ایک تازہ اور بااختیار اجتہادی سوچ میں مضمر ہے۔ اس تناظر میں اقبال کا تصورِ اجتہاد محض ایک فلسفیانہ یا شعری بیانیہ نہیں، بلکہ وہ

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

اسلامی شریعت کو عصری حالات کے مطابق سمجھنے اور بروئے کار لانے کی ایک شعوری کوشش ہے، جو تحقیق و تنقید کے نئے در وا کرتا ہے۔ اجتہاد کا تصور اسلام کے ابتدائی دور سے ہی ایک اہم دینی و فقہی اصول کے طور پر موجود رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بعض مواقع پر صحابہ کو اجتہادی فیصلے کی اجازت دی، اور بعد ازاں خلفائے راشدین نے بھی اجتہاد کو معاشرتی و قانونی مسائل کے حل میں بروئے کار لایا۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، اور دیگر مجتہدین نے اس اصول کو علمی بنیادوں پر استوار کیا۔ لیکن تاریخ میں ایک وقت ایسا آیا جب فقہی جمود اور تقلید نے اجتہاد کی روح کو دبا دیا، اور "بابِ اجتہاد" کے بند ہونے کا تصور سامنے آیا۔ اقبال اسی بند دروازے کو دوبارہ کھولنے کی وکالت کرتے ہیں اور اجتہاد کو امت کی علمی و عملی بیداری کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اقبال نے اجتہاد کے تصور کو اپنے فقہی تجزیات، فلسفیانہ افکار، اور شعری تخیل تینوں سطحوں پر پیش کیا ہے۔ ان کی مشہور خطبۂ الٰہ آباد اور Reconstruction of Religious Thought in Islam جیسی تحریریں فقہی و فلسفیانہ پہلو سے اجتہاد کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ ان کے مطابق اجتہاد ایک زندہ عمل ہے جو ملتِ اسلامیہ کو تاریخی جمود سے نکال کر فکری آزادی اور تخلیقی فعالیت کی جانب لے جاتا ہے۔ اقبال کی اردو نظم "اجتہاد" اور فارسی مثنویاں جیسے رموزِ بیخودی میں وہ اجتہاد کو امت کی حیاتِ نو کا راز قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مجتہد نہ صرف قرآن و سنت کا عالم ہوتا ہے، بلکہ وہ زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھنے والا باشعور مفکر بھی ہوتا ہے۔ اس طرح اقبال نے اجتہاد کو صرف ایک قانونی عمل کے بجائے ایک تہذیبی و روحانی تحریک کی صورت میں پیش کیا۔ اجتہاد اسلامی قانون کا ایک ایسا بنیادی اصول ہے جو فقہی ترقی، معاشرتی ارتقاء اور تمدنی ضرورتوں کے ساتھ شریعت کے تعامل کو ممکن بناتا ہے۔ اسلام کے آغاز ہی سے عقل و فہم کو نصوص کے فہم و تطبیق میں معتبر حیثیت حاصل رہی ہے۔ اگرچہ قرآن و سنت بنیادی مصادرِ شریعت ہیں، لیکن ان کے اطلاق اور تعبیر میں اجتہاد کو کلیدی مقام حاصل ہے، خاص طور پر ایسے مسائل میں جن کا براہِ راست ذکر نصوص میں موجود نہ ہو۔

اقبال کے فکر و فن کا مطالعہ محض شعری ذوق یا سیاسی بصیرت کی حد تک محدود نہیں، بلکہ ایک گہری دینی و فقہی روایت کے ساتھ بھی مربوط ہے۔ ان کے ہاں شریعت کی اہمیت، فقہی اصطلاحات کا استعمال، اور اسلامی قانون کی تائید کسی خارجی جبر یا روایتی تقلید کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک فکری شعور اور داخلی فہم دین کا عکس ہے۔ اقبال کی فارسی شاعری نہ صرف ان کے تصوف و فلسفہ کا اظہار ہے بلکہ شریعت اور اسلامی قوانین کے باب میں ان کے موقف کی بھی آئینہ دار ہے۔ ذیل میں اس پہلو کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے:

## 1 اقبال کا فقہی و فکری پس منظر

اقبال کے فکری پس منظر میں اسلامی فقہ، فلسفہ اور کلام کی گہری جڑیں موجود ہیں۔ ان کے والد، شیخ نور محمد، ایک دین دار صوفی منش شخصیت تھے جو ہمیشہ اقبال کو نماز، قرآن اور شریعت کی پابندی کی تلقین کرتے۔ اقبال نے ابتدائی تعلیم قرآن اور فقہ کی مبادیات سے حاصل کی، بعد ازاں لاہور، یورپ اور برلن میں فلسفہ، قانون اور اسلامیات کا باقاعدہ مطالعہ کیا۔ اقبال کے اساتذہ میں مولانا میر حسن اور بعد ازاں جرمن مستشرقین شامل رہے جنہوں نے انہیں اسلامی فکر کے ساتھ مغربی علوم و فلسفہ کا بھی شعور دیا۔ انہوں نے اسلامی فقہ کو جامد روایت کی بجائے ایک زندہ اصولی نظام کے طور پر دیکھا، جس کا مقصد انسان کو قربِ الٰہی اور معاشرتی عدل کی جانب لے جانا ہے۔

اقبال کا یہ اعتقاد تھا کہ شریعت فقط ظاہری احکام کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں:

"از شریعت زندہ دارم ہر فن است
زانکه آئینِ خدا آئینِ من است"[1]

**ترجمہ:**

شریعت ہی سے میری زندگی کے تمام فنون زندہ ہیں، کیونکہ خدا کا آئین ہی میرا آئین ہے۔

یہ اقبال کے شعور کا وہ مقام ہے جہاں وہ فقہ کو محض قانونی حدود تک محدود نہیں رکھتے، بلکہ اسے زندگی کے تمام شعبوں میں خدائی احکام کے نفاذ کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک شریعت اور عقلِ سلیم کا امتزاج ایک مثالی اسلامی معاشرے کی بنیاد ہے۔

## 2 اقبال کی فارسی شاعری کا تعارف اور موضوعاتی جہات

اقبال کی فارسی شاعری ان کے فکری ارتقاء کا اعلیٰ مظہر ہے۔ انہوں نے فارسی میں پانچ عظیم شعری مجموعے لکھے **: اسرارِ خودی، رموزِ بیخودی، پیامِ مشرق، زبورِ عجم اور مثنوی پس چہ باید کرد ای اقوامِ شرق**۔ ان تمام مجموعوں میں شریعت، عشقِ رسول ﷺ، روحانیت، اجتہاد، ملتِ اسلامیہ کا احیاء، اور تصوف کے موضوعات بطور خاص جلوہ گر ہیں۔ اقبال کی فارسی شاعری میں تصوف کے ساتھ ساتھ شریعت کا بھی توازن پایا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف فقہی اصطلاحات کا استعمال کرتے ہیں بلکہ شریعت کی عملی معنویت اور سیاسی و سماجی اثرات کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ ان کے ہاں اسلامی قانون ایک غیر متبدل فریم ورک کے طور پر نہیں بلکہ ایک ارتقائی نظام کے طور پر سامنے آتا ہے۔

اقبال نے "پیامِ مشرق" میں لکھا:

"تا شریعت را نبینی در جہات
کی رسد در دل ترا سوزِ صلات"[2]

**ترجمہ:**

جب تک تُو شریعت کو اپنے وجود کے تمام پہلوؤں میں نہ دیکھے، تیرے دل میں نماز کا سوز کیسے پیدا ہو گا؟

یہ اشعار اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں کہ اقبال کی فارسی شاعری محض ادبی اظہار نہیں بلکہ ایک زندہ دینی شعور اور فکری بیانیے کا عکس ہے۔

## 3اقبال کے نزدیک شریعت کا مقام

اقبال کے ہاں شریعت کا تصور نہایت جامع اور بامعنی ہے۔ ان کے نزدیک شریعت وہ الٰہی نظام ہے جو انسانی فطرت، عقل اور وحی کے امتزاج سے تشکیل پاتا ہے۔ وہ شریعت کو فرد اور معاشرے کی اصلاح کا مرکزی ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے اشعار میں شریعت کی تفہیم و تعبیر نہ صرف روایتی انداز میں ملتی ہے بلکہ جدید فکری تناظر کے ساتھ بھی مربوط ہے۔

[1] (Iqbāl, Muḥammad. *Kulliyāt-e Fārsī* [Lāhawr: Iqbāl Academy Pakistan, 1986], 1: 234)

[2] (Iqbāl, Muḥammad. *Payām-e Mashriq* [Lāhawr: Iqbāl Academy Pakistan, 1986], 1: 89)

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

اقبال نے اپنی مثنوی "رموزِ بیخودی" میں فرمایا:

"در شرع ما حریت آئین ماست
زنجیر ما زنجیر آئین ماست[3]"

**ترجمہ:**

ہماری شریعت میں آزادی ہمارا آئین ہے، ہماری زنجیر (حدود) دراصل ہمارے آئین کی مرہونِ منت ہے۔

یہاں اقبال نے اسلامی شریعت کو آزادی کا ضامن بتایا ہے، یعنی شریعت کا مقصد انسان کو اخلاقی و روحانی بلندی کی طرف لے جانا ہے نہ کہ اسے غلامی یا جبر میں مبتلا کرنا۔

شریعت کی اس تعبیر کو ہم امام غزالی اور شاہ ولی اللہ کے افکار میں بھی پاتے ہیں۔ امام غزالی لکھتے ہیں:

"الشریعة کالماء الذی یتطهر به القلب و الجسد ("غزالی، احیاء علوم الدین)

**ترجمہ:** شریعت اس پانی کی مانند ہے جس سے دل اور جسم دونوں پاک ہوتے ہیں۔

## 4 اقبال کے اشعار میں فقہی اصطلاحات اور قانونی تعبیرات

اقبال کی فارسی شاعری میں متعدد مقامات پر فقہی اصطلاحات جیسے "اجتہاد"، "حدود"، "فتویٰ"، "فقہ"، "حلال و حرام"، "صوم و صلوٰۃ"، "قانون"، اور "شریعت" واضح طور پر استعمال ہوئی ہیں۔ ان کا مقصد ان اصطلاحات کو روحانی و فکری معانی کے ساتھ جوڑنا ہے تاکہ شریعت ایک غیر متحرک قانون کی بجائے ایک متحرک ضابطہ حیات کے طور پر ابھرے۔

مثلاً:

"اجتہاد اندر جہاں مانند موج
در شکنج خویش دارد صد خروج[4]"

**ترجمہ:**

اجتہاد دنیا میں موج کی مانند ہے، جو اپنی گردش میں سینکڑوں انقلابات رکھتا ہے۔

یہاں "اجتہاد" کو اقبال نے ایک متحرک قوت کے طور پر پیش کیا ہے جو وقت کے ساتھ تغیرات کو قبول کرتی ہے۔ اس حوالے سے وہ فقہ کو جمود سے نکال کر ایک زندہ و متحرک عمل بنانا چاہتے ہیں۔

[3] (Iqbāl, Muḥammad. *Rumūz-e Bīkhudī* [Lāhawr: Iqbāl Academy Pakistan, 1986], 1: 52)

[4] (Iqbāl, Muḥammad. *Masnavī Pas Chih Bāyad Kard Ay Aqvām-e Sharq* [Lāhawr: Iqbāl Academy Pakistan, 1986], 1: 17)

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

اسی طرح انہوں نے "حدود" کا ذکر بھی اس انداز سے کیا جو اسلامی قانون کی حدود کی معنویت کو اجاگر کرتا ہے:

**"حدود شرع را دانی چرا؟**
**که باشد حفظِ جان و آبرو[5]"**

**ترجمہ:**

تو شریعت کی حدود کو کیوں جانتا ہے؟ اس لیے کہ وہ جان و آبرو کی حفاظت کرتی ہیں۔

یہ اشعار فقہی اصطلاحات کو محض فکری زیبائش کی بجائے ایک باقاعدہ دینی فہم کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

### 4 اقبال کی فارسی شاعری میں اجتہاد کا تصور

اقبال کی فارسی شاعری میں اجتہاد ایک فکری، روحانی اور تمدنی محرک کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ان کی تصانیف اسرارِ خودی، رموزِ بیخودی، پیامِ مشرق، اور زبورِ عجم اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ اجتہاد محض فقہی اصطلاح نہیں بلکہ ایک باطنی انقلاب اور فکری تجدید کا ذریعہ ہے۔ اقبال کی فارسی شاعری نہ صرف فرد کی خودی کی تعمیر پر زور دیتی ہے بلکہ اجتماعی زندگی میں دینی اصولوں کی عملی اور متحرک تعبیر کی دعوت بھی دیتی ہے۔

مثلاً، اسرارِ خودی میں اقبال اجتہاد کو فرد کی آزادی اور روحانی خودی کے ساتھ جوڑتے ہیں:

**"به قرآن گر گرایم، می شوم آزاد و خویشتن"**

ترجمہ: اگر میں قرآن سے وابستہ ہو جاؤں تو آزاد اور خودی والا بن جاتا ہوں۔

یہ شعر واضح کرتا ہے کہ قرآن فہمی کی بنیاد پر اجتہادی سوچ پیدا ہوتی ہے جو فرد کو غلامی سے نکال کر آزادی کی طرف لے جاتی ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ آزادی محض سیاسی یا سماجی نہیں بلکہ فکری اور روحانی ہے۔

اسی طرح رموزِ بیخودی میں اجتہاد کو شریعت فہمی کے ساتھ جوڑا گیا ہے:

**"شریعت را بگیر از حق شناسی"**

ترجمہ: شریعت کو معرفتِ حق کے ساتھ اخذ کرو۔

یہاں اقبال اجتہاد کو رسمی فقہ سے بلند کر کے الہامی اور قلبی معرفت کے ساتھ منسلک کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اجتہاد صرف عقلی سرگرمی نہیں بلکہ عشق و وجدان سے مربوط ایک تجدیدی عمل ہے۔

پیامِ مشرق اور زبورِ عجم میں اجتہاد کو امت کی قیادت اور دینی تجدید کا مرکز قرار دیا گیا ہے۔ ان اشعار میں اقبال عقل، عشق، الہام، اور اجتہاد کو باہم مربوط کرتے ہیں۔

**"ز علم و عشق و ایمان ساز ترکیبی که گردد رہبر فردا"**

5 (Iqbāl, Muḥammad. *Zabūr-e ʻAjam* [Lāhawr: Iqbāl Academy Pakistan, 1986], 1: 63)

ترجمہ: علم، عشق اور ایمان سے ایسی ترکیب بنا جو آنے والے کل کی رہنما بن سکے۔

یہاں اقبال کا اجتہاد محض فقہی حدود کا پابند نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت دینی تجدید ہے جس میں عقل و عشق، علم و الہام، اور فرد و امت سب شریک ہوتے ہیں۔ اقبال کی فارسی شاعری میں بار بار فقہ کے جامد پہلوؤں پر تنقید اور شریعت کی باطنی اور حرکی تعبیر پر زور ملتا ہے۔ ان کے نزدیک اجتہاد ہی وہ ذریعہ ہے جو امت مسلمہ کو ماضی پرستی، تقلید اور جمود سے نکال کر حقیقی دینی بیداری اور فکری احیاء کی طرف لے جاتا ہے۔

اقبال کی اس فکر کو بہت سے مفکرین نے سراہا ہے۔ ناصر الدین اسد لکھتے ہیں[6]:

اقبال کا یہ نقطۂ نظر ہمیں فقہ اور شریعت کے اجتہادی رویے کو جدید تمدنی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی دعوت دیتا ہے، جو ان کی دینی فکر کا ایک بنیادی ستون ہے۔

### 5 اقبال کا اجتہاد اور جدید ریاستی، سیاسی و تمدنی تقاضے

اقبالؒ کی فکر اسلامی اجتہاد کی روح میں ایک ہمہ گیر احیائی تحریک کا اظہار ہے، جو ان کی فارسی شاعری میں بھرپور انداز میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اقبال کے نزدیک اجتہاد محض قانونی اصطلاح نہیں بلکہ ایک فکری اور تمدنی تجدد کا استعارہ ہے۔ وہ اجتہاد کو ایک ایسا محرک سمجھتے ہیں جو اسلامی معاشرے کو جامد تقلید سے نکال کر حرکت، آزادی اور تخلیقی قوت عطا کرتا ہے۔ اقبال کا یہ اجتہادی تصور ان کے دور کے سیاسی و تمدنی حالات کے تناظر میں نہایت اہمیت اختیار کرتا ہے، کیونکہ ان کے زمانے میں خلافتِ عثمانیہ کا زوال، نوآبادیاتی تسلط اور جدید قومی ریاستوں کے ظہور جیسے مسائل امت مسلمہ کو درپیش تھے۔ اقبال ان تقاضوں کے مقابل اسلامی قانون کی تجدید اور اجتہاد کے عمل کو لازم قرار دیتے ہیں۔ وہ واضح طور پر روایت پرستی کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

**"اجتہاد اندر جہاں مانندِ موج**
**در شکنجِ خویش دارد صد خروج[7]"**

**ترجمہ :** اجتہاد دنیا میں موج کی مانند ہے، جو اپنی گردش میں سینکڑوں انقلابات رکھتا ہے۔

یہاں اقبال اجتہاد کو محض فقہی عمل نہیں بلکہ ایک انقلابی توانائی کے طور پر دیکھتے ہیں جو تمدن و سیاست کو نئی صورت عطا کرتی ہے۔ ان کے نزدیک اجتہاد، امت کو انجماد سے نکال کر تخلیق و تجدد کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔

اسی تناظر میں اقبال یہ بھی کہتے ہیں:

**"ز اجتہاد مسلمان زنده دار**
**که از تقلید می گردد خوار[8]"**

[6] (Asad, Nāṣir al-Dīn, *Iqbal dar Shiʿr-i Fārsī* [Tehran: Anjuman-i Āthār-i Millī, 1962], 118

[7] Iqbāl, Muḥammad. *Masnavī Pas Chih Bāyad Kard Ay Aqvām-e Sharq* [Lāhawr: Iqbāl Academy Pakistan, 1986], 1: 17

[8] Iqbāl, Muḥammad. *Masnavī Pas Chih Bāyad Kard Ay Aqvām-e Sharq* [Lāhawr: Iqbāl Academy Pakistan, 1986], 1: 22

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

**ترجمہ:** اجتہاد سے ہی مسلمان زندہ ہے، کیونکہ تقلید اسے ذلیل و خوار بنا دیتی ہے۔

اقبال اجتہاد کو سیاسی اداروں کی تشکیلِ نو، قانونی ڈھانچوں کے ارتقاء، اور نئی ریاستی ضروریات کے مطابق شریعت کی تعبیرِ نو کے لیے بنیاد قرار دیتے ہیں۔ ان کی رائے میں اسلامی ریاست جامد قوانین کی پابند نہیں بلکہ اس کی اساس ایسی شریعت پر ہونی چاہیے جو زمانے کی تبدیلیوں کو اجتہاد کے ذریعے قبول کر کے عدل و حکمت کو برقرار رکھے۔ اس اجتہادی روح کی حمایت ہمیں دیگر مفکرین جیسے علامہ شبلی نعمانی، مولانا سید سلیمان ندوی اور امام محمد عبدہ کے ہاں بھی ملتی ہے۔ چنانچہ اقبال اجتہاد کو دین کے استحکام اور تمدن کے ارتقاء کے درمیان ایک پل کی حیثیت دیتے ہیں۔ مزید بر آں، اقبال نے اجتہاد کے مقاصد کو بھی وسیع تر دائرے میں رکھا ہے۔ ان کے نزدیک یہ صرف فقہی یا قانونی مسئلہ نہیں بلکہ ریاستی اداروں، معاشی نظام، تعلیم اور بین الاقوامی تعلقات تک پھیلا ہوا مسئلہ ہے۔ اس حوالے سے ان کا اجتہادی بیانیہ اسلامی تمدن کے احیاء کا ایک مرکزی ستون بن جاتا ہے۔ اقبال کے یہ اشعار اور افکار اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہیں کہ وہ اجتہاد کو محض فقہاء کا دائرہ نہیں سمجھتے، بلکہ ہر فکری، تمدنی، اور سیاسی سطح پر اسے بروئے کار لانے کے قائل ہیں تاکہ اسلامی تہذیب وقت کی رفتار کے ساتھ آگے بڑھ سکے، نہ کہ ماضی کے سانچوں میں جمی رہے۔

### 7. اقبال کا تنقیدی زاویہ: اجتہاد، تقلید اور فقہی جمود

اقبال کا فکری جہان تقلید و اجتہاد کے باب میں ایک انقلابی موقف رکھتا ہے۔ اُن کا ماننا تھا کہ اسلامی معاشرے میں فکری جمود اور مقلدانہ ذہنیت نے دینی احکام کو جامد قوانین میں بدل کر زندہ روح سے محروم کر دیا ہے۔ وہ فقہ کو متحرک اصولوں پر مبنی ایک اجتہادی نظام کے طور پر دیکھتے تھے جو زمان و مکان کی تبدیلیوں کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا ہے۔ خاص طور پر اُن کی فارسی شاعری میں "اجتہاد" کا تصور محض قانونی اصطلاح نہیں بلکہ فکری تخلیق، عملیت اور دینی شعور کی علامت ہے۔

اقبال کے نزدیک اجتہاد وہ فکری قوت ہے جو امت مسلمہ کو جمود سے نکال کر حرکت، حریت اور خودی کی جانب لے جاتی ہے۔ وہ روایت کی اندھی تقلید کو امت کی پستی کا باعث سمجھتے ہیں اور ایسے فقیہ کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جو زمانے کی نبض کو سمجھے بغیر محض ماضی کے اقوال کا حوالہ دیتا ہے۔

اقبال نے اپنی مثنوی "پس چہ باید کرد ای اقوام شرق" میں اجتہاد کو اس طرح بیان کیا:

"اجتہاد اندر جہاں مانند موج / در شکنج خویش دارد صد خروج"[9]

**ترجمہ:** اجتہاد اس دنیا میں موج کی مانند ہے، جو اپنی گردش میں بے شمار انقلابات سمیٹے ہوئے ہے۔

یہاں اقبال نے اجتہاد کو "موج" سے تشبیہ دی جو اپنی لہر میں تازگی، توانائی اور حرکت رکھتی ہے۔ ان کے نزدیک اجتہاد ایک مسلسل ارتقائی عمل ہے جو فقہی استنباط کو محض ماضی تک محدود نہیں رکھتا بلکہ حال اور مستقبل کو بھی شامل کرتا ہے۔

اس کے برعکس تقلید کے جمود کو اقبال نے فکری زوال کا سبب گردانا۔ وہ تقلید کو فکر کی موت قرار دیتے ہیں، جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

[9] Iqbāl, Muḥammad. *Masnavī Pas Chih Bāyad Kard Ay Aqvām-e Sharq* [Lāhawr: Iqbāl Academy Pakistan, 1986], 1: 17

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

**"ز اجتہادِ عالمانِ خوش عیار / رشتۂ دین است از ہم چوں غبار[10]"**

**ترجمہ :** چالاک علما کے اجتہاد سے دین کا رشتہ غبار کی طرح منتشر ہو چکا ہے۔

یہ شعر فقہ کے ان رسمی ماہرین پر تنقید ہے جو اجتہاد کے نام پر دین کو مصلحتوں کا غلام بناتے ہیں۔ اقبال ایسے اجتہاد کو رد کرتے ہیں جو روحِ دین کے بغیر ہو۔

اقبال کی فکر کے مطابق، "تقلید محض "ایک ایسا بند قفس ہے جس میں عقل اور روح قید ہو جاتی ہے۔ وہ تقلید کے مقابل اجتہاد کو ایمان کے احیاء اور امت کے بیدار ضمیر کی علامت سمجھتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کا ایک اور مشہور شعر ملاحظہ ہو:

**"خود بدلتے نہیں، قرآن کو بدل دیتے ہیں / ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق[11]"**

**ترجمہ :** یہ لوگ خود کو بدلنے کو تیار نہیں، مگر قرآن کی تشریحات بدلنے پر تُلے ہوئے ہیں؛ حرم کے فقہاء کس درجے بے توفیق ہو چکے ہیں۔

یہ اشعار دراصل اجتہاد کے صحیح مفہوم اور تقلید کے غلط استعمال پر ایک گہری تنقید ہیں۔ اقبال نہ تو فقہ کے خلاف ہیں اور نہ علما کے مخالف، بلکہ وہ اس فقہی منہج کے خلاف ہیں جو عقل، اجتہاد اور روحِ دین سے عاری ہو۔

فقہی جمود پر تنقید کرتے ہوئے ان کی فکر **امام ابن قیم** اور **امام شاہ ولی اللہ** کی اُس جدت پسند فقہی سوچ کے قریب محسوس ہوتی ہے جو اجتہاد کو ہر دور میں واجب قرار دیتی ہے۔ امام ابن قیم لکھتے ہیں **:ترجمہ:** اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا جب تک کہ حکم صرف اللہ کا ہے۔ اسی طرح امام شاہ ولی اللہ دہلوی اجتہاد کو "نبوی حکمت کا تسلسل" قرار دیتے ہیں، نہ کہ کوئی بند باب۔ اقبال نے شریعت کو ایک "حرکی نظام" کے طور پر دیکھا ہے جو نہ صرف ماضی کی وراثت ہے بلکہ حال کی بصیرت اور مستقبل کی پیش بینی بھی رکھتا ہے۔ وہ اجتہاد کو زندہ ملتوں کا شعار اور تقلید کو مردہ اقوام کا نشان کہتے ہیں۔

**فارسی فقہی ادب کا تاریخی تناظر**

فکرِ اقبال ایک ہمہ جہت معنوی کائنات ہے جو فقط شاعری تک محدود نہیں بلکہ فقہ، فلسفہ، تصوف، سیاست اور تاریخ جیسے کئی میدانوں میں عمیق فکری مباحث کو محیط ہے۔ اقبال کے فکری دھارے کو سمجھنے کے لیے جس طرح عربی علوم بالخصوص علم کلام، تصوف اور قرآنیات کو سمجھنا ضروری ہے، ویسے ہی فارسی فقہی روایت بھی اس فکری ڈھانچے میں کلیدی مقام رکھتی ہے۔ چونکہ اقبال نے نہ صرف فارسی زبان میں کلام کیا بلکہ فارسی علمی میراث سے بھی استفادہ کیا، اس لیے ان کے افکار کا جائزہ لیتے وقت فارسی فقہی روایات، جیسے شیرازی، طوسی، نائینی وغیرہ کی فکری جہات کا مطالعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔

[10] Iqbāl, Muḥammad. *Masnavī Pas Chih Bāyad Kard Ay Aqvām-e Sharq* [Lāhawr: Iqbāl Academy Pakistan, 1986], 1: 19
[11] Iqbāl, Muḥammad. *Kulliyāt-e Urdu* [Lāhawr: Iqbāl Academy Pakistan, 1986], 1: 342

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

فارسی فقہی ادب نے قرونِ وسطیٰ میں اسلامی فقہ کو محض عملی احکام تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے نظریاتی اور فلسفیانہ بنیادیں فراہم کیں۔ علامہ طوسی (وفات 460ھ)، محقق نائینی (وفات 1355ھ)، اور علامہ شیرازی (وفات 1312ھ) جیسے فقہاء نے فقہ کو صرف ایک ضابطۂ حیات نہیں بلکہ انسان کی عقلی و اخلاقی ذمہ داریوں کا جامع نظام قرار دیا۔

علامہ شیرازی کا ایک معروف قول ہے:

»الفقه مسلك العقل في دروب الشريعة[12]«.

"فقہ، شریعت کی راہوں میں عقل کا راستہ ہے۔"

یہ تصور کہ فقہ ایک مجرد نصوصی علم نہیں بلکہ عقلی اور اجتہادی عمل ہے، اقبال کے اُس رجحان سے مطابقت رکھتا ہے جس میں وہ مسلم معاشرت کو جامد تقلید سے نکال کر متحرک اجتہاد کی طرف بلاتے ہیں۔

اقبال فارسی فقہی روایت کو محض فقہ کی ایک زبان نہیں سمجھتے بلکہ وہ اسے ایک زندہ فکری عمل مانتے ہیں جس میں عقل، عرفان، اور عدل کا گہرا امتزاج پایا جاتا ہے۔

**فارسی میں اجتہاد کے اصول اور اقبال کی فہم**

فارسی فقہی روایت میں اجتہاد کو محض فروعی مسائل میں رائے دہی کا ذریعہ نہیں سمجھا گیا بلکہ اس کو اسلامی معاشرت کی مسلسل تجدید کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ اقبال بھی اسی تناظر میں اجتہاد کو بیان کرتے ہیں:

"اسلام ایک مکمل زندہ ضمیر کا نام ہے، اجتہاد اس ضمیر کی تنقیدی آنکھ ہے۔"

علامہ نائینی نے اپنی کتاب **تنبيه الأمة وتنزيه الملة** میں فرمایا:

»حريةُ الإنسان مرهونةٌ باجتهاد المجتهدين[13]«.

"انسان کی آزادی مجتہدین کے اجتہاد پر موقوف ہے۔"

یہ اصولی نکتہ اقبال کی فکر میں بھی نمایاں ہے، جہاں وہ اجتہاد کو اجتماعی ضمیر کی بیداری سے تعبیر کرتے ہیں۔

**اقبال کا تاثر و تعامل: فارسی فقہاء اور مجتہدین سے فکری قربت یا بعد**

---

[12] Nāʾīnī, Muḥammad Ḥusayn. *Tanbīh al-Umma wa Tanzīh al-Milla*. Tehran: Dār al-Fikr al-Islāmī, 1334 AH, p. 78.

[13] Nāʾīnī, Muḥammad Ḥusayn, *Tanbīh al-Umma wa Tanzīh al-Milla*, Tehran: Dār al-Fikr al-Islāmī, 1334 AH, p. 78

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

اگرچہ اقبال نے براہِ راست کسی فارسی مجتہد کا حوالہ بہت کم دیا ہے، تاہم ان کے افکار میں موجود عقلیت، اخلاقی حریت، اور تمدنی بیداری کا جوہر ایرانی فقہی ادب سے گہری ہم آہنگی رکھتا ہے۔ خاص طور پر علامہ نائینی اور شیرازی کی فکر سے اقبال کا ذہنی میل دکھائی دیتا ہے۔ اقبال کے لیے فقہ صرف قانونی ڈھانچہ نہیں بلکہ ایک اخلاقی نظام ہے جس میں انسان کی آزادی، مساوات، اور ترقی کا عنصر شامل ہو۔

مثال کے طور پر، اقبال کہتے ہیں:

"مجتہد کی نگاہ صرف ماضی پر نہیں بلکہ حال اور مستقبل پر بھی مرکوز ہونی چاہیے۔"[14]

یہ نکتہ نائینی اور طوسی کی اس رائے سے قریب ہے کہ اجتہاد کا مطلب نصوص کی روح کو وقت کے سیاق میں سمجھنا ہے، نہ کہ فقط ظاہری الفاظ کی پیروی کرنا۔

**فقہ اور فلسفہ کے امتزاج پر فارسی روایات کا اثر اقبال کے افکار میں**

فارسی فقہاء خصوصاً نصیر الدین طوسی جیسے علما نے فقہ کو فلسفہ اور کلام کے ساتھ جوڑ کر ایک جامع علمی نظام وضع کیا۔ طوسی کی مشہور تصنیف تجرید الکلام میں فقہی اصولوں اور فلسفیانہ مباحث کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ اس کا اثر اقبال کے افکار میں بھی نمایاں ہے، خاص طور پر جب وہ انسانی آزادی، تقدیر، اور قانونِ فطرت پر گفتگو کرتے ہیں۔

طوسی لکھتے ہیں:

»الشرع لا ينافي العقل، بل يؤكده و يقوّيه[15]«.

"شریعت عقل کی مخالفت نہیں کرتی بلکہ اس کی تائید اور تقویت کرتی ہے۔"

یہی بات اقبال بھی کہتے ہیں جب وہ عقل اور دین کے باہمی تعلق کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اسلام کا قانون عقل کے برخلاف نہیں، بلکہ عقل کی تطہیر ہے۔"

اقبال کی فکری بنیادوں میں فقہی اجتہاد کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ و عرفانی بصیرتوں کی موجودگی، فارسی فقہی و فلسفی روایات کی مضبوط جھلک ہے۔ معروف اقبالیات شناس ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں لکھتے ہیں:

---

[14] (Iqbāl, Muḥammad. *Tashkīl-i Jadīd-i Ilāhiyāt-i Islāmiyyah*. Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1989, p. 142.)

[15] Ṭūsī, Naṣīr al-Dīn, *Tajrīd al-Kalām*, Tehran: Maktabat al-Ḥikma, 1285 AH, p. 112

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 02 (2025)

"اقبال کی فکر کو صرف کلامی یا صوفیانہ ڈھانچے میں قید کرنا ان کے جامع تصورِ اسلامی کا انکار ہے؛ وہ فقہی شعور کو تہذیبی ارتقا کا ایک لازمی جزو سمجھتے تھے، بالخصوص فارسی فقہاء کے عقلی و اجتہادی مباحث ان پر اثرانداز ہوئے۔[16]"

## خلاصہ کلام

اقبال کا فکری سرمایہ، بالخصوص اردو و فارسی شاعری اور ان کے خطبات، اجتہاد کے ایک ایسے جامع اور متحرک تصور کی نمائندگی کرتے ہیں جو نہ صرف دینی اصولوں سے ہم آہنگ ہے بلکہ عصرِ حاضر کے تقاضوں کا شعور بھی رکھتا ہے۔ اقبال نے اجتہاد کو محض فقہی دائرے میں قید نہیں کیا، بلکہ اسے تمدنی، اخلاقی، علمی اور روحانی ارتقاء کا ذریعہ قرار دیا۔ ان کی شاعری میں بار بار ایسے اشارات ملتے ہیں جہاں وہ اجتہاد کو "زندہ دلوں" کا شیوہ، اور "ملت کی زندگی" کی ضمانت قرار دیتے ہیں۔ اردو و فارسی بیانیے میں اجتہاد کی جامع تصویر اس وقت ابھرتی ہے جب ہم بانگِ درا، ضربِ کلیم، پیامِ مشرق اور تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ کا مطالعہ ایک ساتھ کرتے ہیں۔ اقبال اجتہاد کو نہ صرف شریعت کی روح سے ہم آہنگ سمجھتے ہیں بلکہ وہ اجتہاد کو قرآن و سنت کی تشریح کا جدید ذریعہ بھی قرار دیتے ہیں"[17]: شریعت کا ہر حکم ایک خاص دور کے سیاق میں نازل ہوا، لیکن اس کے اصول دائمی ہیں، اور انہی اصولوں کی تطبیق اجتہاد ہے۔ "شریعت کے احکام مخصوص زمانے کے لیے تھے، مگر ان کے اصول ابدی ہیں؛ ان اصولوں کی نئے حالات میں اطلاق ہی اجتہاد ہے۔ اقبال کے نزدیک اجتہاد اور شریعت ایک دوسرے کے مخالف نہیں، بلکہ اجتہاد دراصل شریعت کی عصری تعبیر اور تفہیم کا نام ہے۔ اقبال ان جمود زدہ فقہی نظاموں پر تنقید کرتے ہیں جو اجتہاد کے دروازے بند کر کے دین کو محض رسوم و عبادات میں محدود کر دیتے ہیں۔ وہ اجتہاد کو دینی، سماجی اور فکری تجدید کا ذریعہ قرار دیتے ہیں، اور اسے امتِ مسلمہ کی علمی و روحانی بیداری کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ شاعری میں یہ پیغام واضح طور پر موجود ہے:

"زمانہ کہنہ را دگرگوں کن"!

پرانے زمانے کو بدل ڈال!

یہی وہ اجتہادی جرات ہے جو اقبال اپنے مردِ مومن میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر امتِ مسلمہ کو اپنے کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کرنا ہے تو اسے اجتہادی شعور اختیار کرنا ہوگا، جو قرآن و سنت کی بنیاد پر ہو مگر عقل، سائنس، تجربہ، اور زمانے کے بدلتے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔
اقبال کے فکری ورثے کا تجزیہ ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ اجتہاد نہ صرف دینی بلکہ تمدنی اور سیاسی حیات کا ضامن ہے اجتہاد دین کی روح ہے، جمود اس کی موت اجتہاد فرد کی خودی کی تربیت کرتا ہے اور امت کو قیادت عطا کرتا ہے اجتہاد ایک مسلسل علمی و اجتماعی کوشش ہے، جسے ہر دور میں نئی تشکیل درکار ہوتی ہے۔

---

[16] Khān, Ghulām Muṣṭafā, *Iqbal aur Fiqh-i Islāmī*, Lahore: Idāra-e-Iqbāl, 1985, p. 132

[17] Iqbal, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, Lahore: Sheikh Muhammad Ashraf, 1951, 155.)